ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

اصول و اوامر

اسلامی تعلیمات کے دو پہلو ہیں، ایک اصول اور ایک اوامر۔ قرآن کریم نے اپنا نام قرآنِ حکیم رکھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دراصل حکمت کی کتاب ہے۔ حکمت اصل اور بنیادی حقیقت ہے، اور احکام حسب ضرورت اس حکمت سے سرزد ہوتے ہیں، تاکہ وہ حکمت تنظیمِ حیات میں بروئے کار آسکے۔ قرآن نے حکمت کو موعظت پر مرجح سمجھا ہے ادعوا الی سبیل ربّك بالحکمت والموعظة جس شخص میں حکمتِ اوامر سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو، اس کے ساتھ وعظ و نصیحت سے کام لیا جاتا ہے اور عمل کے لئے اوامر و نواحی اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں احکام کی تعداد بہت کم ہے اور اکثر احکام کے ساتھ اس حکمت کو بھی واضح کیا ہے جو کسی حکم کی علت ہے۔ اگر اوامر کی کثرت ہو جائے تو انسانوں کی جائز آزادی بھی بعض اوقات محدود ہو جاتی ہے۔ اسلام کی غرض یہ تھی کہ جہاں تک ہو سکے انسان خدا کو کائنات کے مشاہدے اور مطالعے اور تفکر و تدبر سے سمجھے اور خدا کے احکام کی حکمت بھی اس پر واضح ہو۔ اسلام کی معاصر دنیا میں ادیان نے زندگی کو بہت محدود اور محصور کر رکھا تھا۔ اوامر و نواہی کی کثرت نے اصلِ دین کو فراموش کرا دیا تھا۔ متعصب شخص وہی ہوتا ہے جو اصل کو فراموش کر کے فروع ہی کو اصل سمجھ لیتا ہے اور کسی حکم کی علت اور حکمت کو سمجھے بغیر اس کی ظاہری صورت کی پابندی کو عین دین تصور کرتا ہے۔ اسلام نے دین کی یہ حقیقت بتائی کہ الدین یسر، دین آسانی کا نام ہے، اور رسالت کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں نے جو توہمات، روایات اور رسوم کی زنجیروں سے اپنے آپ کو جکڑ رکھا ہے ان زنجیروں کو توڑ دیا جائے۔ احکام کی تعداد کم سے کم ہو اور زیادہ زور اصول پر دیا جائے۔ حکم کی محض ظاہری پابندی کر کے اس کے باطن اور اس کی حکمت سے غافل رہنے والوں کو تنبیہ کی جائے۔ عبادات کا مقصود بتایا جائے اور ان کے کچھ ارکان اور آداب معین کئے جائیں۔ لیکن ساتھ ہی تاکید کے ساتھ یہ تلقین کی جائے کہ ارکان و آداب ذرائع ہیں، مقصود اصلی نہیں ہیں۔ نماز حقیقی وہ ہے جس میں حضورِ قلب ہو، اور وہ فحشاء و منکر سے انسان کو روک سکے، اور انسان کی طبیعت میں اعمالِ صالحہ کی رغبت پیدا کر سکے۔ قیام رکوع و سجود اور قبلہ رو ہونا حصول مقصد کے ذرائع ہیں۔ اگر اصل مقصد حاصل نہ ہو تو اٹھنا بیٹھنا اور آیات کو طوطے کی طرح دہرانا اچھائی کی بجائے برائی کا باعث ہو سکتا ہے۔ چونکہ ارکان فی نفسہٖ مقصود نہیں ہیں اس لئے ارکان کی

پابندی میں اسلام نے ایسی شدت اور تنگی نہیں برتی کہ ارکان ذرا ادھر سے اُدھر ہوں تو نماز ہی باطل ہو جائے۔ کھڑے ہو کر نماز کی ادائیگی میں دقت محسوس ہو تو بیٹھ کر پڑھ لی جائے، بیٹھنے میں زحمت محسوس ہو تو لیٹ کر پڑھ لی جائے۔ آخر میں یہاں تک ہے کہ محض اشارات سے نماز ادا ہو سکتی ہے۔ نماز میں قبلہ رو ہونا، آدابِ صلوٰۃ میں سے ہے لیکن قرآن کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ لوگ محض کسی سمت ہی کو مقدس نہ سمجھ لیں اور اس کو جوہرِ صلوٰۃ میں داخل نہ کر لیں، اس لئے دو تین مرتبہ دہرا کر کہا کہ یہ آداب و ذرائع میں داخل ہے اور حقیقتِ نماز کا جزو نہیں۔ آداب کی پابندی مفید ہے لیکن آداب کو آداب ہی سمجھا جائے، ان کو اصول کا ہم وزن نہ بنایا جائے۔

وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ — اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب، پس جس طرف تم منہ کر لو اسی طرف اللہ تعالیٰ کا رُخ ہے۔

اصل چیز نیکیوں کی طرف سبقت کرنا ہے، نماز اور اس کے ارکان سب اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں

ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات۔ — اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جدھر کو وہ اپنا منہ کرتا ہے، پس تم نیکیوں کی طرف بڑھو۔

عبادات کی ظاہری صورتیں اور اطوار نیکی کا اصل مقصود نہیں ہیں۔ نیکی کی ماہیت یہ ہے کہ حقائق پر ایمان رکھتے ہوئے اعمال صالحہ پیدا کئے جائیں، رحم اور عدل اور ایثار اور صبر کی مشق کی جائے۔

نیکی یہی نہیں ہے کہ اپنا مُنہ مشرق و مغرب کی طرف کر لو، بلکہ اصل نیکی اُن کی ہے جو اللہ اور آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی محبت میں قریبیوں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو اپنا مال دیا اور غلامی سے لوگوں کی گردنوں کو چھڑانے میں مال صرف کیا جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے، جب عہد کیا تو اپنے وعدے کے پورے رہے، تنگی اور تکلیف اور خوف کے وقت صابر رہے۔ یہی لوگ سچائی والے اور پرہیزگار ہیں۔ (البقرہ ۲۔ آیت ۱۷۷)

اسلام کے مخالفوں، بلکہ بعض مسلمان کہلانے والوں نے بھی اسلام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس نے زندگی کی تمام جزئیات کو ایک آہنی نظامِ فکر و عمل میں جکڑ دیا ہے۔ یہ اعتراض حقیقت میں قرآن پر نہیں، بلکہ ہماری فقہ کے بعض حصوں پر وارد ہوتا ہے۔ قرآن پر اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ مسلمان فقہا اور علماء اپنی اپنی سمجھ اور اپنے اپنے زمانہ کی ضروریات کے مطابق تفصیلی احکام کے دفتر تیار کرتے رہے۔ چونکہ یہ احکام متغیر حالات اور مختلف افہام کا نتیجہ تھے، ان میں اکثر باتوں کے متعلق اختلاف رائے رہا۔ ہر ایک نے نیک نیتی سے جو کچھ صحیح سمجھا وہ فتویٰ دیا۔ جب مسلمانوں پر ذہنی جمود طاری نہ ہوا، تب تک فقہاء کے مذاہب کوئی اٹل چیز نہ تھے اور ائمہ فقہا میں کسی کا یہ منشا نہ تھا کہ لوگ ان کی تحقیقات اور ان کے فتاوے کو شریعتِ اسلامی کا ناقابلِ تغیر حصہ سمجھ لیں اور اس کے مقاصد

عن الخطا ہونے پر اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح کہ وہ قرآن پر ایمان لائے ہیں۔ اُنہوں نے احکام کو قرآن سے اخذ کرنے کی کوشش کی، لیکن کہیں کہیں تاویلات پر اختلاف ہوگیا۔ احادیث نبوی سے احکام کے استنباط کی کوشش کی لیکن احادیث میں بہت کچھ اختلاف تھا، اس لئے سب فقہاء کے لئے ان میں سے متوافق احکام کا استنباط کار دشوار تھا۔ جب مسلمانوں میں تفقہ کا فقدان ہوگیا تو عوام اور علماء دین کہلانے والے بے بصر اور جامد لوگ پہلے فقیہوں کے پرستار ہوگئے اور وہی صورت پیدا ہوگئی جو قرآن کریم نے یہود کے متعلق بیان کی تھی، کہ ان لوگوں نے اپنے احبار کو اربابِ من دون اللہ بنا لیا تھا اس کے بعد لوگ مسلم کہلانے کی بجائے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کہلانے لگے۔ اُنہوں نے اپنے اپنے اماموں کے اختیارات اور فتاوے کو شریعت اسلامیہ کا جزوِ لاینفک سمجھ لیا، اجتہاد اور اجماع قیاس اور استحسان سب کا دروازہ بند ہوگیا۔ اسلام کی شریعت بھی منو کا دھرم شاستر بن کے رہ گئی۔ قرآن کریم میں جو اصول دین ہیں وہ وحی الٰہی اور ابدی اسلام ہیں، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ وقتی اجتہاد ہے جو زمانے کی ضروریات کے ساتھ بدل سکتا ہے۔ اگر اسلام ابدی دین ہے تو اس میں ایسی تفصیلات دین کا جزوِ لاینفک نہیں بن سکتیں جو تمدن اور معاشرت کی کسی خاص صورت سے متعلق تھیں۔ اسلام نے جو اصلاحیں کیں، ان میں سے بعض ایسی تھیں جو معاصرانہ معاشرت کی کسی ہیئت کو مدِّ نظر رکھ کر کیں۔ رسول کریمؐ نے اسلام کی تلقین میں بھی تدریج کے اصول کو مدِّ نظر رکھا اور اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا کہ اسلام کی مکمل اور انتہائی صورت کسی ایک فرد یا قوم میں یکدم پیدا نہیں ہوسکتی۔ جب کسی قوم میں کسی صحابی کو عامل اور والی بنا کر بھیجتے تھے تو اسے فرماتے تھے کہ پہلے ان سے فقط یہ کہنا کہ خدا ایک ہے، جب توحید ان کی سمجھ میں آجائے تو پھر اس کے بعد نماز کی تلقین کرنا اور اس کے بعد زکوٰۃ دینے کو کہنا۔ اسلام میں جو تدریج افراد اور اقوام کے متعلق زمانۂ رسالت میں درست تھی وہ بعد کے آنے والے تمام زمانوں کے متعلق بھی درست ہے۔ اسلام نے شروع میں جو اصلاحیں کیں وہ اصلی مدارج کے سفر میں بمنزلہ مراحل و منازل کے ہیں۔ اسلام کے متعلق صحیح نقطۂ نظر یہی ہے کہ اس کی ہر اصلاح انسان کی آخری ہیئت فلاح نہیں بلکہ سیر راہ ایک منزل ہے۔ انسان کو خدا تک پہنچنے کے لئے لا تعداد منازل کو طے کرنا ہے:

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلّی ۔۔۔ اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

مولانا رومؒ ایک شعر میں مومن کی منزل کے متعلق فرماتے ہیں کہ

"منزلِ ما کبریاست"

علامہ اقبال فرماتے تھے کہ مسلمانوں نے اسلام کو کسی ایک زمانے کی معاشرت کا مرادف سمجھ لیا ہے۔ زندگی ارتقا پذیر چیز ہے اس کی آنے والی صورتیں نئے نئے آئین کی متقاضی ہونگی۔ اسلام غایت حیات اور نصب العین کا نام ہے۔ صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے انسان زندگی کے کیا کیا سانچے بدلے گا، تصوّر میں بھی اس کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا۔

مولانا چراغ علی مرحوم شریعتِ اسلام پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب "مقدمہ تحقیق الجہاد" میں لکھتے ہیں کہ "ہمارے مخالف ان ہی عارضی احکام یا رعائتوں پر آڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام نے ان مکمّل احکام اور جزوی اصلاحوں کو ایک دائمی اور غیر تغیر پذیر قانون بنا دیا ہے جن پر اعلیٰ درجے کی اصلاحوں کی گنجائش نہ رہی اور جو ترقی کرنے والے اور شائستہ تمدّن کے لئے ایک زبردست روک ہیں۔ آنحضرتؐ کے مفصلہ ذیل احکام میری نظر میں ہیں۔ عورتوں کی ذلیل حالت کی اصلاح، غیر محدود تعداد ازدواج کی تحدید، طلاق کی آسانی اور لونڈی، غلام بنانا۔ آں حضرتؐ کے تمام احکام عام اس سے کہ وہ چند روزہ اور عارضی تھے یا قطعی اور دائمی، جو ان تمدّنی خرابیوں کے رفع کرنے کے لئے دیئے گئے تھے، وہ باہم ملے جُلے اور مختلف سورتوں میں جابجا پھیلے ہوئے ہیں اور ترتیب نزول کے موافق مرتب نہیں ہوئے۔ اس لئے جو لوگ قرآن کریم کے مضامین پر عمیق نظر نہیں رکھتے ان کے لئے اس بات کا پتہ لگانا ذرا مشکل ہے کہ کون سے احکام بمنزلہ درمیانی منزل کے ہیں اور کون سے احکام آخری اور بجائے منزلِ مقصود کے ہیں۔ عام قانون کے مدوّن کرنے والوں (فقہاء اور مجتہدین) سے کسی قدر سامحت ہوئی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوّل تو وہ ملکی احکام جو عارضی اور بمنزلہ اس درمیانی قدم کے تھے جو اعلیٰ اصلاح کی طرف لے جاتا ہے، آخری اور قطعی سمجھے گئے، اور ثانیاً وہ ملکی احکام جو صحرائے عرب کے باشندوں کے مناسب حال تھے، تمام زمانوں اور ملکوں کی گردن پر اُن کا بار ڈالا گیا۔"

پہلی قومیں کھانے پینے کی چیزوں میں حلال اور حرام کو دین کا نہایت اہم جُزو سمجھتی تھیں۔ ہر مذہب اور تہذیب میں کھانے پینے کے متعلق کچھ چیزیں طیّب اور کچھ غیر طیّب سمجھی جاتی ہیں۔ بعض اوقات ان کو ایسا سمجھنا کسی حکمت یا تجربے کی بنا پر ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کی تہ میں قومی عادات اور روایات ہوتے ہیں جن کے اندر حکیمانہ اصول کو تلاش کرنا دشوار ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے دو تین چیزوں کو غیر طیب قرار دے کر باقی سب کے متعلق ایک عام معقول اصول بیان کر دیا کہ تمام طیبات حلال ہیں یعنی تمام ایسے الطعمہ حلال ہیں جو تجربے سے اور طب کے اصول کے موافق جسمانی اور نفسی زندگی کے لئے مفید ہوں۔ لیکن جس طرح ارکان صلوٰۃ کے متعلق یہ واضح کر دیا کہ اس سمت یا اُس سمت میں مُنہ کرنا ہی نیکی نہیں ہے اسی طرح قرآن کریم نے یہ تعلیم دی کہ اصل حلال و حرام جس پر زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اس کا تعلق ایمان اور بے ایمانی اور نیکی اور بدی سے ہے

قل تعالوا اتل ما حرّم ربّکم علیکم
الّا تشرکوا به شیئاً وّبالوالدین احساناً
ولا تقتلوا اولادکم من خشیة املاق ط
نحن نرزقکم وایاهم ولا تقربوا الفواحش

اے پیغمبر (لوگوں سے کہو) کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں وہ یہ ہیں کہ کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، تم کو اور اُن کو ہم ہی رزق دیتے ہیں

ماظهر منها وما بطن ولا تقتلوا النفس التی حرّم اللہ الا بالحق ذٰلکم وصّٰکم بہٖ لعلکم تعقلون ۔ (الانعام ۶۔ آیت ۱۵۲)

اور بے حیائی کی باتیں جو ظاہر اور پوشیدہ ہیں اُن کے پاس نہ جانا اور جس کی جان لینے کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرنا یہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔

اسی مضمون کے قریب قریب سورۂ اعراف میں بھی ہے کہ اصل حرام باتیں تو بے حیائی کی باتیں ہیں ظاہر اور پوشیدہ گناہ گاری اور ناحق دوسروں کے خلاف زیادتی کرنا اور ایسی باتوں کو خدا کی طرف منسوب کرنا جن کے لئے کوئی سند نہیں اور جن کا تمہیں کوئی علم نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حلال و حرام کا تعلق ایمان اور اخلاق سے ہے کھانے پینے اور دیگر رسوم و عادات اور آداب عبادات کے متعلق جو باتیں ہیں وہ ثانوی حیثیت رکھتی ہیں جس نے ظاہری یا ثانوی حیثیت پر زور دیا اور اصل کو بھول گیا، ایسا ظاہر پرست حقیقی روحانیت سے بیگانہ ہو جاتا ہے:

زاہدِ ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست
درحقِ ما ہرچہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست

اللہ تعالیٰ زبردستی تمام انسانوں کے اطوار و عادات کو یکساں اور یک رنگ بنانا نہیں چاہتا۔ دین کا اصل مقصد نیکی کی طرف سبقت کرنا ہے:

لکل جعلنا منکم شرعۃً ومنھاجًا ولو شاء اللہ لجعلکم امۃً واحدۃً و لکن لیبلوکم فی ما آتاکم فاستبقوا الخیرات ۔

ہم نے تم میں سے ہر گروہ کے لئے ایک شریعت اور ایک راستہ مقرر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو (تمام نوع انسان میں عبادات و رسوم کی یک رنگی پیدا کرکے) سب کو ایک اُمت بنا دیتا۔

لیکن اس نے ایسا نہیں چاہا۔ ہر طریقے میں انسانوں کی آزمائش ہوسکتی ہے، نیکی اور بدی کی گنجائش ہر طریقے میں نکل سکتی ہے، اصل مقصد یہ ہے کہ تمام انسان نیکیوں کی طرف سبقت کریں، خصوصاً اے مسلمانو! تمہیں دین کی اس اصل غایت اور نصب العین کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔